



نہرو بال پستکالیہ

جس بند کی بڑی سگھتی



نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

1983 (سا کا 1904)

© کلانا تر 1978



The Day the River spoke (Urdu)

PUBLISHED BY THE DIRECTOR, NATIONAL BOOK TRUST,
INDIA, A-5, GREEN PARK, NEW DELHI-16 AND PRINTED
AT J. K. OFFSET PRINTERS 315, JAMA MASJID, DELHI-6.

جب ندی بولی تھی



مصنف: کلانتر
مصوّر: شکر سید
مترجم: سیدی اعجاز



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

جانو بانسوں کی باڑ کے ایک چھید میں سے گزر کر دوسری طرف نکل آئی اور دھان
کے کھیتوں کے بیچ والے راستے پر چلنے لگی۔ دور دور جہاں بھی نظر جاتی، دور شمال
میں صبح سویرے کے آسمان کے نیچے، نیلی مٹ میلی پہاڑیوں سے لے کر، مغرب میں
ریل کی پٹریوں تک اور سامنے جنوب میں بہتی ندی تک جو سلہٹی پتھروں اور چٹانوں
کے بیچ سے گزرتی ہوئی سمندر تک پہنچتی ہے، دھان کی ہری ملائم بالیاں ہی بالیاں
دکھائی دیتی تھیں۔



سمندر تو یہاں سے دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن مچھیرا چند تو اس ندی سے سمندر
 تک کے اپنے سفر کے بارے میں کئی کہانیاں سنایا کرتا ہے کہ ندی کے دہانے سے اپنی ناز
 کو کھے کر لے جانے میں کیسی ہوشیاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ چند دے کہانیاں سننا،
 اور اس کی پکڑی ہوئی مچھلیاں دیکھنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ ناز کو دیکھتے ہوئے ندی اور
 سمندر سے سنہری رو ہو مچھلیاں جسے اس کے گاؤں کے سب ہی لوگ بہت پسند کرتے ہیں
 اور چھوٹی شارک مچھلیاں جنہیں نمک لگا کر سوئی کے شہتیروں میں ڈنگی تار کے پتوں سے
 بنی ٹوکریوں میں رکھا جاتا ہے۔ ان سب کاموں کو دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔

جہاں کھیت ختم ہوتے ہیں، وہاں ندی کے کنارے کنارے ناریل کے پٹر قطار
 باندھے اس طرح کھڑے ہیں جیسے دھوپ میں پر پھیلا رکھے ہوں۔ رات کو جب چاند کا
 بڑا سا گولہ پہاڑیوں کے پیچھے سے ابھرتا ہے تو چاندنی میں نہاتے ان کے تے سر سر ہٹ
 کی آوازیں بکھیرنے لگتے ہیں اور جب کبھی بانسوں کے جھرمٹ میں سے ہوا گذرتی ہے تو سر سر
 کی مدھر آوازیں ان میں سے نکلتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سب بالسن مل کر کوئی
 پیارا سا گیت گارہے ہوں۔







جالو اب سمندر کی طرف سے آنے والی سیدھی سیدھی ہوا کو سانس کے ساتھ کھینچتی ہوئی
دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ کبھی وہ رک کر چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھاتی جنہیں وہ مینا کے گھر کے
تالاب کے پانی میں تیرانے کے لیے اکٹھا کر رہی تھی۔ لال ریشمی کپاس کا بیڑ رنگوں اور گہنوں سے
سجاد ہوا تھا اور لال چمیلی کی مڑی ہوئی ڈالیاں کلیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے لال چمیلی کی
دو کلیوں کو توڑا اور ان کی پنکھڑیوں کو اس طرح موڑا کہ وہ کان کی بالی کی طرح لگنے لگیں۔ ان کی
خوشبو بہت پیاری تھی۔ کچھ کلیاں اس نے اپنے بالوں میں بھی لگالیں۔

اجانک اس کی نظر اس کلی کے نہرے دل پر بیٹھی ایک چھوٹی سی پیلی مکڑی پر پڑی۔
پہلے تو وہ گھبرا گئی۔ پھر اس نے اسے جھاڑ دیا۔ مکڑی لمبا تار چھوڑتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ ایک
چھوٹی سی نہری مکڑی! جالو سوچنے لگی۔ ”میں تو پہلے اسے دیکھ ہی نہیں سکی۔ یہ بھول کی طرح
پیلی ہے۔“ اس نے بھوری اور بڑی کالی مکڑیاں تو دیکھی تھیں لیکن اس رنگ کی مکڑی تو اس
نے پہلے کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔

اب تو وہ ندی کے کنارے پہنچ گئی تھی وہاں وہ اپنے من پسند پتھر پر گالوں پر دونوں ہاتھ
رکھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی ماں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل لگا رکھا تھا اور اس کے
بالوں کو سنوار کر ایک پیاری سی چٹیا بنا دی تھی۔

ایک ہری چھپکلی پتھر کے نیچے سے نکلی اور بانسوں کے بیچ غائب ہو گئی۔ دور سے کٹھ پڑھی
کی ٹھک ٹھک کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہاں کی خاموشی کو توڑتے ہوئے ندی قل قل کرتے ہوئے
بہہ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ سے ہی باتیں کرنے لگی۔ اُسے اپنے سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ میں
نے پیلی مکڑی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ پیلی مکڑیاں پیلے بھولوں میں کیوں چھپی رہتی ہیں؟ مجھے یہ
بات ایٹن سے پوچھنی چاہیے۔“

ایٹن اسکول جاتا تھا جہاں ماسٹر جی اسے پڑھا اور لکھنا سکھاتے تھے۔ برآمدے میں بیٹھ
کر وہ اپنا سبق زور زور سے یاد کرتا تھا۔ اس کے گاؤں کے لڑکے تو سب ہی اسکول جاتے
تھے لیکن سب لڑکیاں اسکول نہیں جاتیں۔







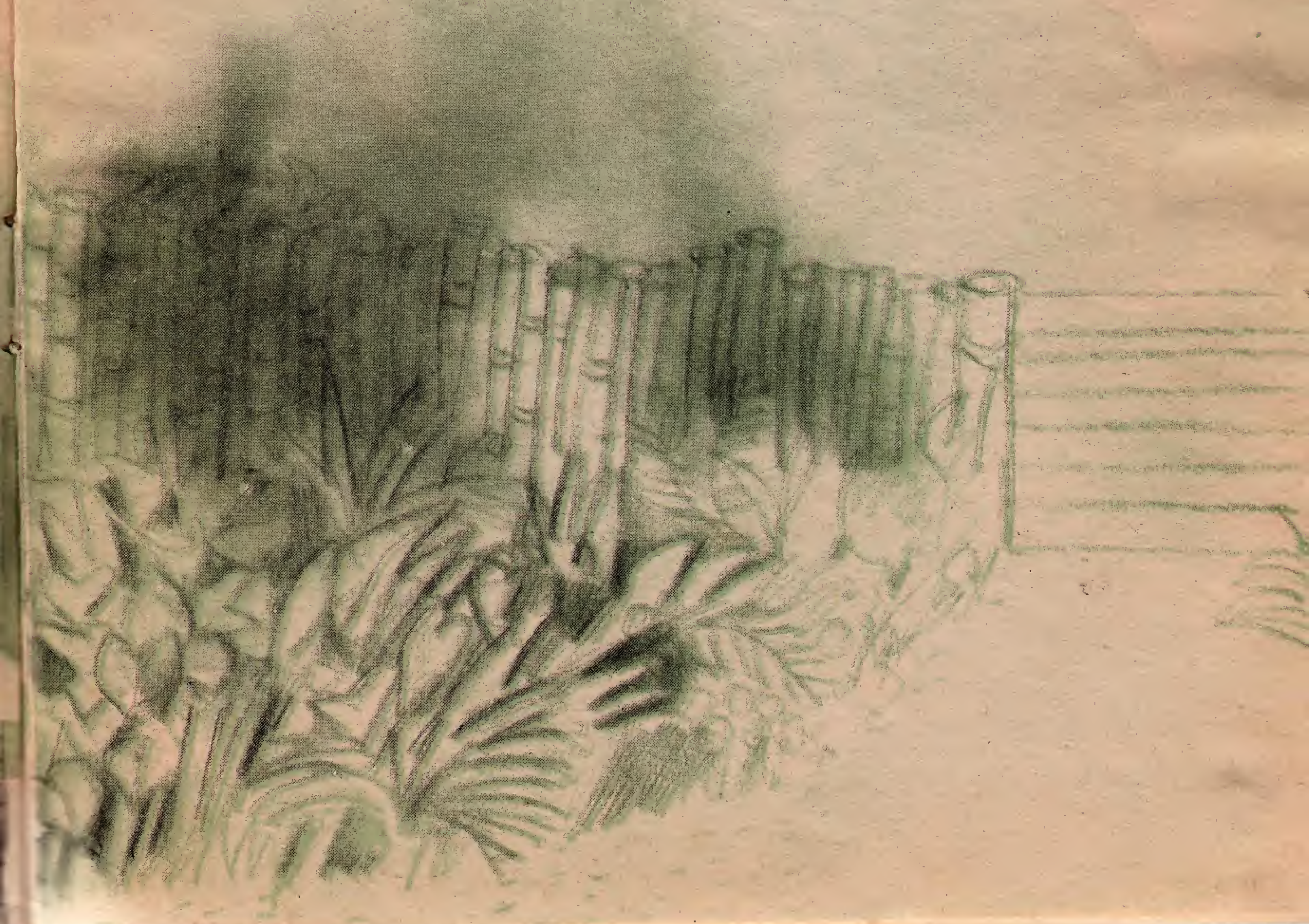
مینا اسکول جاتی تھی مگر اس کی بات اور بھی اس کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا اور اس کے پاپو گاؤں کے مکھیا تھے۔ اتنا ہی نہیں، اس کی ماں جب ریل گاڑی میں بیٹھ کر شہر جاتی تھیں تو وہ سنہری زری کا نیا ڈز پھنتی تھیں۔ ان کے پاس ایک بڑھیا کالی چھتری بھی ہے ایک چھتری مینا کے پاس بھی ہے، چھوٹی، کالی لال جھالروں والی۔

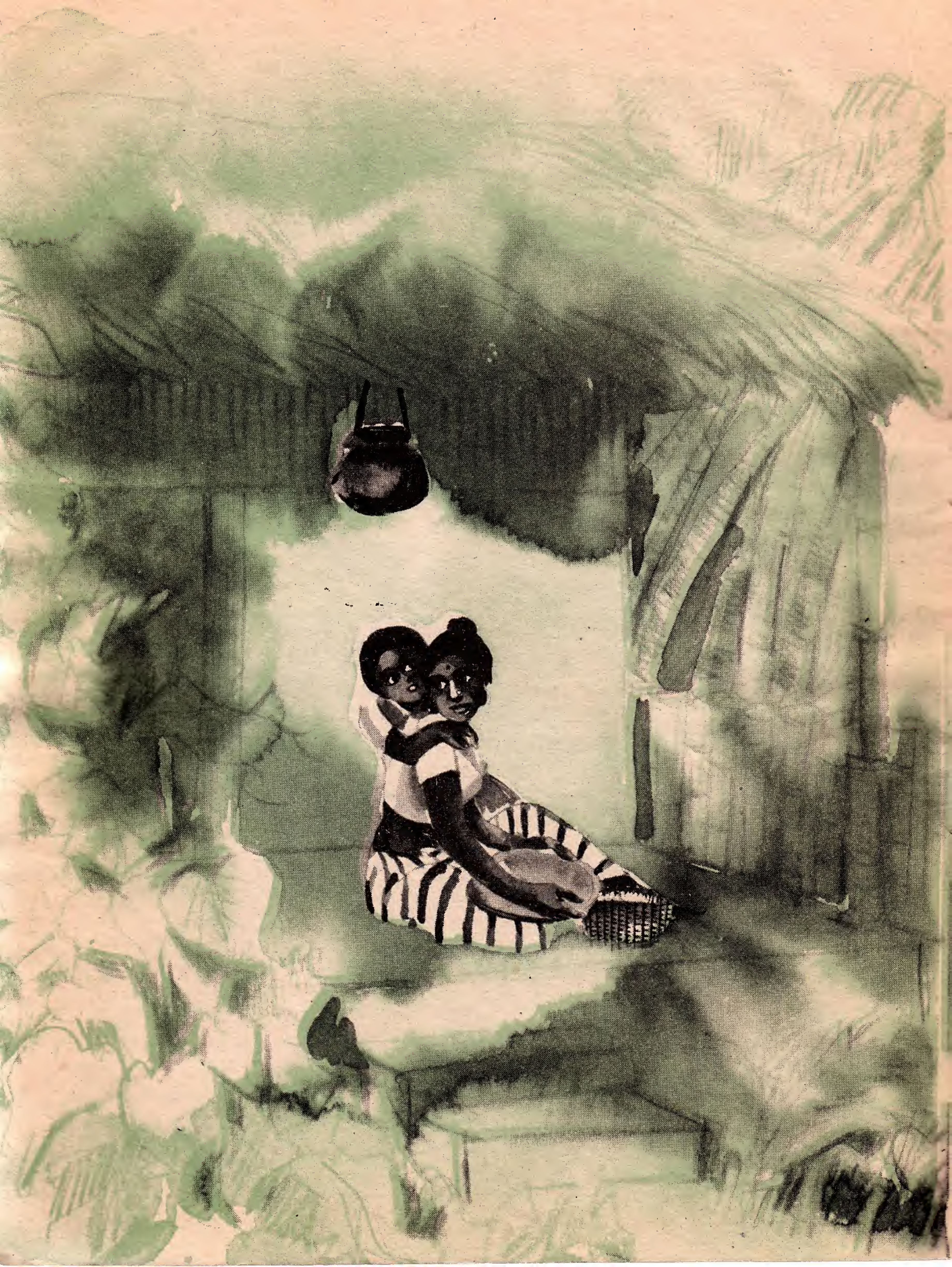
اس کے گاؤں کے زیادہ تر لوگ تو تار کے پتوں سے بنے لوپ استعمال کرتے تھے۔ وہ انھیں سر پر لوپ کی طرح پہنتے تھے۔ تار کی پٹیوں کا لوپ پہن کر برسات میں کام کرنا بہت آسان ہوتا ہے کیونکہ اس طرح دونوں ہاتھ خالی رہتے ہیں۔ لیکن باقاعدہ کالی چھتری کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔



ایک دن جالو نے اپنی ماں سے پوچھا: ”ماں، میں بھی ایٹن اور مینا کی طرح اسکول کیوں نہیں جاسکتی؟“ جالو اپنے بھائی کو ایٹن کہتی ہے۔ ایٹن کا مطلب ہوتا ہے بڑا بھائی۔ اس کا نام گوتی ہے۔ جالو کا سوال سن کر اس کی ماں نے کہا: ”تم ابھی چھوٹی ہو۔ جب بڑی ہو جاؤ گی، تب جاؤ گی۔“ جب وہ پانچ سال کی ہوئی تو اس کا چھوٹا بھائی رامو پیدا ہوا۔ ماں نے کہا: اب اسکول اگلے سال جانا اور دیکھو، جب میں کام کرنے کے لئے کھیتوں میں جاؤں تو تم اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا۔“

نہارامو دو سال کا ہو گیا، پھر تین کا ہو گیا۔ جالو نے جب ماں کو اپنے اسکول جانے کی بات یاد دلائی تو ماں چڑھ گئی۔ کیوں چلا رہی ہو؟ ایٹن اسکول اس لئے جاتا ہے کہ وہ لڑکے لڑکے اپنا سبق جلدی یاد کر لیتے ہیں۔ تم ابھی لڑکی کی طرح چاول صاف کرنے اور لکڑی لانے میں میری مدد کیا کرو اور اپنے چھوٹے بھائی رامو کو شرارتیں کرنے سے باز رکھا کرو۔“







”مینا بھی تو لڑکی ہے مگر وہ تو اسکول جاتی ہے۔“

”مینا کے باپ کے پاس بہت پیسہ ہے۔“ جالو کے باپ نے کہا جو اسی وقت کھیتوں سے آئے تھے۔ ”لڑکیوں کو اسکول بھیجا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ انہیں تو کھانا پکانا سیکھنا چاہیے۔ چاولوں کو صاف کرنا اور پکانا کھیتی کے کام میں مدد کرنا وغیرہ ہی لڑکیوں کا کام ہے۔“
کوٹے میں بھی پیال کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تاؤ جی جلدی سے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کیا ہے کابل کہیں کی امار کھائے بغیر یہ نہیں مائے گی۔ یہ کہتے کہتے وہ کھانسنے لگے کیونکہ پان کی پیک ان کے گلے میں پھنس گئی تھی۔ ماں جلدی سے اٹھ کر ان کی پیٹھ کو تھپ تھپانے لگی تاکہ ان کی کھانسنی رک جائے۔ جالو کو ردنا آ رہا تھا کیونکہ اس کی بات سننے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں تھا۔
”لیکن یہ سب کام تو میں اسکول سے آنے کے بعد بھی کر سکتی ہوں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں

بتا جی۔“

”اور تمہیں رامو کا خیال کون رکھے گا۔ اتمہاری ماں تو اور کاموں میں لگی رہتی ہے۔“
جالو نے ماں کی طرف دیکھا اور گہری سانس بھری۔ ماں ویسی ہی دکھائی دے رہی تھی جیسی رامو کے پیدا ہونے سے کچھ دن پہلے تھی۔



ماں نے بات بدلتے ہوئے جالو سے پیار بھرے لہجے میں کہا: "جالو، ذرا جا کر خندو
سے مچھلی تو خرید لار پکانے کے لیے۔" جالو ماں سے پیسے لے کر کھیتوں کے بیچ سے گزرتی ہوئی
خندو کے گھر کی طرف چل پڑی۔

جالو نے جب خندو سے کہا کہ امین کی طرح وہ بھی پڑھنے کے لیے اسکول جانا چاہتی
ہے تو وہ ہنس پڑا اور پوچھنے لگا: "اور اسکول میں تم کیا کرو گی؟ کیا سب کے ساتھ چلا چلا کر
سبق یاد کرو گی؟ میں تو اسے وقت خراب کرنا کہتا ہوں۔ ہاں اگر تم کہتیں کہ مجھے جال بنانا سیکھاؤ،
مچھلی پکھانا سیکھاؤ تو یہ عقل کی بات ہوتی۔ اسکول! اچھی! " خندو نے پانی میں بیج سے متھوک دیا۔



اور کاغذ میں مچھلی لپیٹتے ہوئے اس نے کہا: "اب تم فضول باتیں سوچے بغیر سیدھی گھر چلی جاؤ
اور اچھی لڑکی بنو۔ اپنی ماں سے کہنا، رو ہو اب بہت کم آنے لگی ہے۔ اگلی بار میں چھوٹی شادک
مچھلی لاؤں گا۔"

ایٹن اب بارہ سال کا ہو گیا تھا اور رامو پانچ سال کا۔ دونوں اسکول جاتے تھے اور
دس سال کی جانوا اپنے سب سے چھوٹے بھائی آپو کی دیکھ بھال کرنے کے لئے گھر پر رہتی تھی۔ ہاں
کبھی کبھی باڑے کے کسی چھد میں سے نکل کر ماں کی نظر بچا پتی ہوئی وہ ندی کنارے آ جاتی تھی۔ نیچے
ندی کے آس پاس سب تلچھ خاموش اور پرسکون تھا اور اسے یہ ماحول اچھا لگتا تھا لیکن آج کچھ
اور ہی بات تھی۔

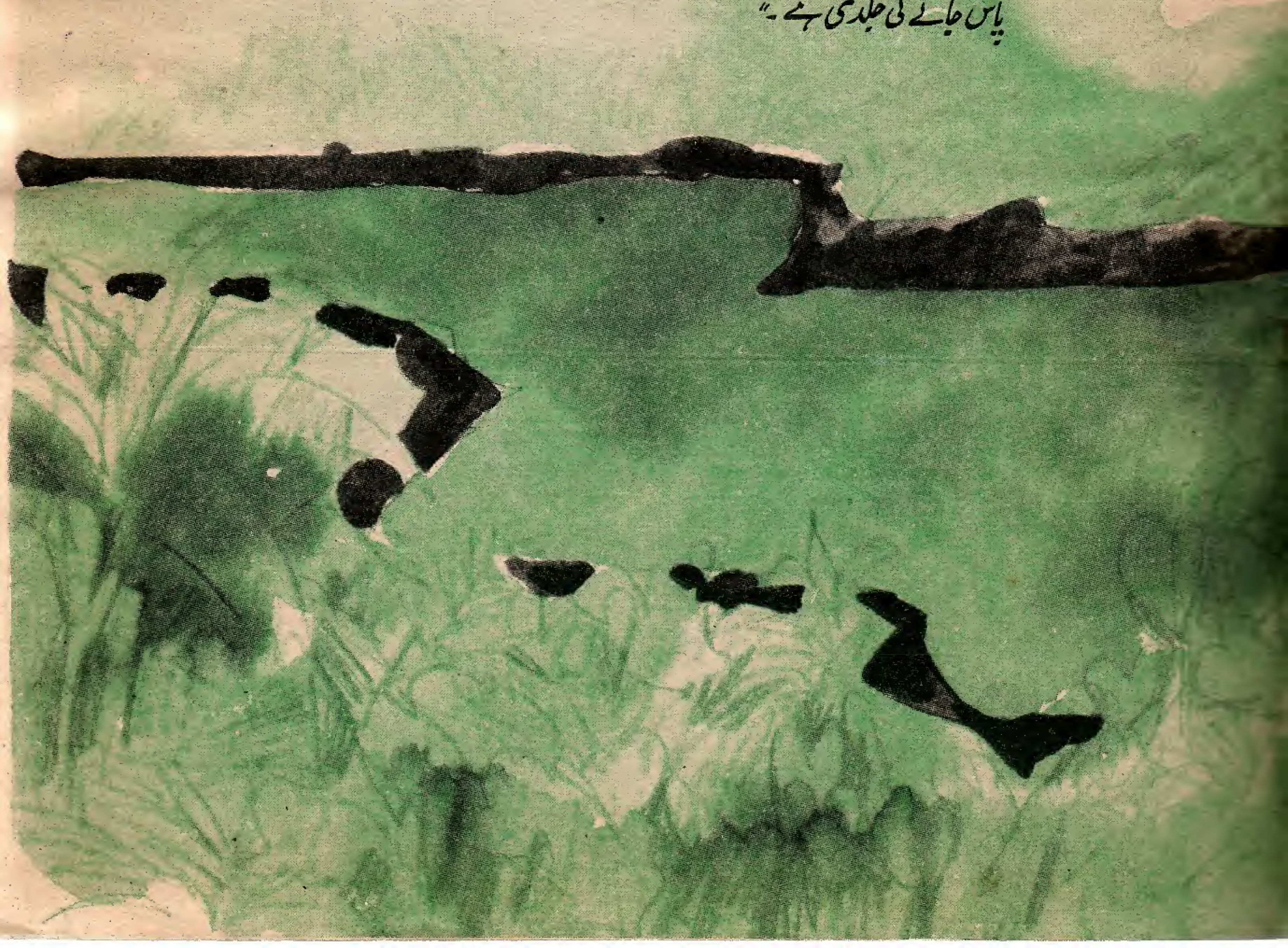




آنسو کی ایک موٹی مٹی بو ند نکل کر اس کی ناک پر سے لڑھک گئی۔ پھر ایک دوسری!
ایک بگلا تیزی سے نیچے جھپٹا۔ اس کے پیچھے دھوپ میں تیر کی طرح لگ رہے تھے۔ ایک ہری
چھپکلی دھوپ سینکے کے لیے سرکتی ہوئی ندی کے کنارے تک چلی گئی۔

”پیارے بچی کیا بات ہے؟“ اسے ایک ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔
جانو چونک گئی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ وہاں اس کے سولے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ چھپکلی کی
آواز تو نہیں ہو سکتی اور بگلا تو بالنوں کے چھرمٹ میں بیٹھا اپنی پکڑی ہوئی مچھلی کھا رہا تھا۔ یہ
توتے کی آواز بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی آواز تیکھی ہوئی ہے اور یہ کافی ہلکی آواز تھی۔ وہ
اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ بہت ڈر گئی اور سجاگنے کی فکر میں
ہی تھی کہ وہ آواز پھر سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

”تمہیں روزا نہیں چاہیئے اور پھر تم تو مجھے دیکھنے روز ہی آتی ہو۔“
وہ پھر خونکی۔ یہ تو ندی کے بہاؤ کی طرح ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز تھی۔ یہ ندی ہی تو نہیں
ندی ہی تو تھی! ندی کہنے لگی: ”اچھا مجھے بتاؤ بات کیا ہے تم جانتی ہو کہ مجھے سمندر کے
پاس جانے کی جلدی ہے۔“



جاننے لگا، "وہ مجھے اسکول نہیں بھیجتے۔ انھیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتی۔ انھیں تو..."
 ایک دو سکیاں بھرنے کے بعد اس نے پھر کہا: "انھیں تو لڑکے ہی اچھے لگتے ہیں۔ میں اتنی بڑی
 ہو گئی ہوں لیکن وہ مجھے اسکول نہیں جانے دیتے۔ میں بھی ایٹن اور مینل کے طرح پڑھنا لکھنا
 چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ پیلے بھولوں کی مکڑیاں پیلی کیوں ہوتی ہیں؟ یا نس
 سر سراتے کیوں ہیں؟ چاند ہمیشہ پہاڑوں کے پیچھے سے کیوں نکلتا ہے کسی اور طرف سے کیوں
 نہیں؟ پوکھر کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں مینڈک کیسے بن جاتی ہیں؟ اور"

"رکھو۔ رکو۔ ندی کہنے لگی۔ "تم نے تو مجھے جبراً ہی دیا ہے۔ اتنے سارے سوال؟ میں
 تمہیں بتا سکتی ہوں کہ چاند کہاں جاتا ہے۔" اس نے جیسے کوئی راز کی بات بتاتے ہوئے
 کہا۔ "چاند نیچے سمندر کی طرف چلا جاتا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ وہ میری طرح۔
 پہاڑیوں کے راستے سے گزر کر سمندر میں چھپ جاتا ہے۔"

جاننے سکتی ہوئی بولی: "چھوٹا سا راتو بھی اسکول جاتا ہے۔" ندی نے ادا اس ہو کر
 کہا: "اسکول بھی تو سمندر کے کنارے نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جاتی۔
 لیکن نہیں، اس طرح تو تمہارے پیر بھگ جاتے۔ ایسا تو مشکل تھا۔ تم ایک کام کر سکتی ہو
 لیکن نہیں، تم نہیں کر سکو گی۔"

جاننے لے پوچھا۔ "کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟" ندی بولی: "یہ تو تمہاری مرضی پر ہے۔
 میں تو سمجھتی ہوں کہ جو کچھ چھوٹے لڑکے کر سکتے ہیں، وہی سب چھوٹی لڑکیاں بھی کر سکتی ہیں۔
 وہ لڑکوں کی طرح تیر بھی سکتی ہیں۔ تم کسی دن صبح چپکے سے اسکول میں جا کر بیٹھ جانا
 اور جو سبق پڑھایا جا رہا ہو اسے غور سے سننا۔ ہو سکتا ہے کہ وہی تمہیں وہاں بیٹھا رہنے
 دے۔"

کہا: "وہ مجھے دھمکائیں گے۔"
 گھر سے باہر نکال دیا۔ ندی ہنس پڑی۔ "تم ڈرو۔"
 بالنوں کے جھرمٹ والے سائپ سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ دجالو چونک پڑی، بل پر سے گزری

ریلی گاڑی سے بھی تم نہیں ڈرتیں۔۔۔ یلی گاڑی بہت شور کرتی ہے مجھے تو جہاز زیادہ اچھے لگتے ہیں۔

جانو ساتپوں سے ڈرتی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ بالنوں کے جنگل میں سانپ رہتے ہیں۔ اس نے ندی سے پوچھا۔ ”جہاز کیا ہوتے ہیں؟“ ندی بولی ”بڑی بڑی کشتیاں! اتنی بڑی کہ اس میں بہت سارے آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور جہاز سمندر میں چلتے ہیں ان میں تینیاں جلتی ہیں جو چمکتی بھی ہیں۔“





جالو سانس رو کے سن رہی تھی۔ پوچھنے لگی: "کیا وہ یہاں بھی آجائیں گے؟" ندی بولی:
 "یہاں کیسے آئیں گے؟ وہ تو بہت بڑے ہوتے ہیں! یہاں تو چندو کی لکڑی کی ناؤ ہی آسکتی
 ہے۔ چندو تو ہنس کسی دن جہاز دکھانے کے لیے لے جاسکتا ہے۔"

رہانسی ہو کر جالو نے کہا: "وہ مجھے کبھی جانے نہیں دیں گے۔ ہائے، میں لڑکی کیوں ہوئی؟"
 ندی دلاسہ دیتے ہوئے بولی: "لیکن پہلے تم اسکول جانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو یہ تمہاری
 خواہش پر منحصر ہے۔"

ندی کی آواز ہلکی ہوتی چلی گئی اور جالو کو اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اپنی ..
 آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ضرور کوئی خواب رہا ہوگا لیکن وہ جب پتھر سے اتر
 کر بانسوں کے چھرمٹ کے قریب سے گزرتی ہوئی کھیتوں والے راستے پر چلنے لگی تب بھی
 اسے ندی کی آواز یاد آتی رہی۔ ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز!

اسکول تک آخر وہ پہنچ ہی گئی مگر یہ آسان کام نہیں تھا۔ پہلے تو وہ اپنے پیاجی کے
 کھیتوں پر جاتے اور ماں کے کھانا بنانے شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اس نے
 اپنے بالوں میں کنکھی کی اور لال ربن باندھا۔ یہ ربن اسے مینا کی ماں نے دیا تھا۔ تاؤ جی
 اپنے ٹھنڈے چاول اور نمک لکے آموں پر مشتمل اپنا صبح کھانا کھا کر سو گئے تھے۔ تنہا
 اپنا اپنا گوسٹھا چوس رہا تھا اور اینٹن اور رامو اسکول جا چکے تھے۔



لامو اسی سلیٹ پر لکھتا تھا جس پر پہلے اٹین لکھا کرتا تھا۔ ان دنوں جب وہ پہلے پہل اسکول گیا تھا اور جب گھر کے دوسرے لوگ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تھے تو جالو، رامو سے وہ سلیٹ مانگ لیتی اور اس پر تصویریں بنایا کرتی تھی سلیٹ پر تصویریں بنانا کڑی اور پھر دوبارہ بنائی جاسکتی ہیں نا!

اس نے ننھے اپو کو چٹائی پر لٹایا اور گھر کی باڑ کی طرف چل دی۔ اسی وقت ننھا اپو رونے لگا۔ وہ جھجکتی ہوئی واپس آئی اور اس نے ننھے اپو کو گود میں اٹھا لیا۔ ننھے اپو نے زور سے کلکاری ماری اور اپنے گدگدے ہاتھوں سے اس کے گالوں پر مکے چلانے لگا۔

اس نے بہت ہلکی آواز میں کہا: ”اچھا تو میں تمہیں اپنے ساتھ ہی لے چلتی ہوں۔ لیکن دیکھو، وہاں رونے مت لگنا۔ نہیں تو.... نہیں تو میں تمہیں جنگل میں پھینک دوں گی اور تو تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے۔“

ہانپتے کانپتے وہ اسکول پہنچی اور جا کر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ گرجی اس وقت اشوک نام کے ایک راجکار کی کہانی پڑھا رہے تھے جو بعد میں ایک بہت بڑا راجہ بنا۔ اس کے کندھے سے چپکا اپو سو گیا تھا۔ جالو دھیرے دھیرے سرکتی ہوئی پھلی



قطار کے پاس تک پہنچ گئی۔ سبھی بچے پالتھی مارے زمین پر بیٹھے تھے۔ اپو بالکل خاموش
تھا اور نہ سبقت سن رہی تھی۔

گرو جی سوال پوچھنے لگے۔ سبھی بچے کتاب کے ورق الٹا رہے تھے اور جواب دینے
کے لئے ہاتھ کھڑے کر رہے تھے۔ سوال پورا ہونے کے بعد گرو جی نے کہا: اب میں تمہیں
ایک مزید اخیار سناتا ہوں۔ اب ہم لوگ اگلے ہفتے ریل گاڑی سے کوزی کھوڈ دے گا لی کٹ
جائیں گے۔ وہاں ہمیں بڑے بڑے بازار اور سٹریٹوں کے کارخانے دیکھنے کو ملیں گے۔ وہاں
میں تمہیں سمندر اور لائٹ ہاؤس بھی دکھاؤں گا۔“



بے ساختہ کہہ اٹھی! ”جہاز تو ناؤ سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ اٹاڑا کہ اس کے اندر بہت سارے
لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ اور.....“ وہ رک گئی۔

سب سی کی آنکھیں اس کی اور ننھے ایلو کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ جالو کے ایک دم
کھڑے ہو جانے کی وجہ سے ننھے ایلو کی تیند کھل گئی تھی اور وہ رونے لگا تھا۔ جالو گھیرا
گئی۔ گرد جی نے پوچھا! ”لڑکی تم کہاں سے آئی ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ تم میرے کلاس
میں آج سے پہلے تو کبھی نظر نہیں آئیں۔ اور کیا میں نے تم سے، تم سب سے یہ نہیں کہا تھا
کہ اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو یہاں مت لایا کرو؟ یہ کس کا بچہ ہے؟ اسے یہاں کون لایا
ہے؟ جواب دوا“

گرد جی کا چشمہ گرتے گرتے پجا۔ جماعت کے سب ہی بچے گردن ہلانے اور آپس میں کانا
سچوسی کرنے لگے۔ جالو کا پھلا ہونٹ ذرا کاٹا! ”میں..... میرا..... نام..... جا...
لو..... ہے..... گرد..... جی..... یہ..... یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ میں نے اسے جان
بوچھ کر نہیں لایا۔ میں تو.....“

”یہ گوپی کی بہن ہے۔ گوپی نعل والی کلاس میں پڑھتا ہے۔“ ایک لڑکے نے کہا۔



کلاس کے سبھی بچے خوشی سے چلانے لگے۔ ایک جولاہے کے لڑکی کٹی نے پوچھا
”گرو جی، لائٹ ہاؤس کیا ہوتا ہے؟“

”وہ پیل کی بناوٹ کی طرح ایک بہت بڑا مینار ہوتا ہے جس کی چوٹی پر سے سمند میں
چاروں طرف دُور دُور تک تیز روشنی ڈالی جاسکتی ہے تاکہ جہاز بغیر کسی خطرے کے آ
جاسکیں۔“

”تالونے پوچھا“ گرو جی، جہاز کیا ناؤ کی طرح کا ہوتا ہے؟“ تالونہ اپنی ماں کے ساتھ جنگل
کے کنارے پر رہتا تھا۔ اسکول آنے کے لیے اسے روز دو میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔
گرو جی نے کلاس سے پوچھا ”تالونے کے سوال کا جواب کون دے گا؟“ جالوناس ماحول
میں اتنی کھو گئی تھی کہ وہ ننھے اپٹو کو، اپنے ڈر کو اور اپنی جھجک کو بالکل بھول گئی تھی۔



”یہ جانو ہے“ ایک دوسرے لڑکے نے بتایا

”یہ چاچا کو پالن کی چھوٹی لڑکی ہے“ تیسرے نے کہا۔

گرجی نے کہا: ”ادھر آؤ جانو۔ کوئی بات نہیں۔ اپنے بھائی کو بھی لے آؤ۔ میری

میر کے نزدیک آؤ۔ اب اور لوگ جاسکتے ہیں۔“

ڈرتی جھجکتی جانو آگے بڑھی۔ ننھا اچھوٹا ڈر سے سسکیاں بھر رہا تھا کیونکہ اسے
آس پاس نئے چہرے نظر آ رہے تھے۔ لڑکے لڑکیاں بنا کر باہر دھوپ میں نکل آئے
اور اُسے اکیلے ایک اجنبی دگر دبی سے وہ پہلی بار ملی تھی، کے سامنے چھوڑ دیا۔ ہمت ہانپنے
کے لیے اس نے ننھے اچھوٹے زور سے چٹا لیا۔ اسکول آنے کی خواہش مردہ ہو گئی تھی۔ کلاس
میں بچے نہ ہوں تو اسکول بھیانک لگتا ہے۔

”تو تم گونی کی چھوٹی بہن ہو؟ گونی اچھا لڑکا ہے پچھلے کے شیشوں کے بیچ میں سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے گرجی نے کہا: ”شاید اسے پتہ نہیں کہ تم یہاں ہو“

جانو چپ رہی۔

”شاید تم سمجھ رہی ہو کہ تم اور تمہارا چھوٹا بھائی کہیں بھٹک گئے ہیں۔ اچھا

بتاؤ، تم پہلے کبھی اسکول کیوں نہیں آئیں؟“ گرجی نے اپنی طرف ایک پنسل بڑھائی پہلے
تو وہ جھجکتا ہوا پنسل کی طرف دیکھتا رہا، پھر اپنی گول مٹول انگلیوں میں اسے پکڑ لیا۔

گرجی کے بار بار یہ پوچھنے پر کہ وہ اب تک اسکول کیوں نہ آ سکی، جانو نے
انہیں سب کچھ بتا دیا، اس بات چیت میں دوپہر ہو گئی۔ اور وہ جب گھر پہنچی تو ماں بہت
گھبرائی ہوئی تھی۔ جانو کو دیکھتے ہی اس نے اطمینان کی سانس لی اور اسے زور کی ڈانٹ
پلائی۔ بتا جی نے کہ اب گھر میں اتنا زیادہ کام ہے اور اسے دیکھو کہ گھومتی رہتی ہے کسی دن
چھڑی سے پٹائی کرنی پڑے گی۔ ان کی آواز ویسی ہی تھی جیسی تھک کر گھر آنے کے بعد عام طور
پر رور ہوئی تھی۔

لیکن جانو نے راز کی بات کو چھپائے رکھا۔ ویسے ہی جیسے اپنے چمکتے ہوئے تانے

کے سکے کو روزنامی کے رس سے چمکاتی ہے اور رات کو ہوشیاری سے اپنی چٹائی
کے نیچے رکھ دیتی ہے۔ لیکن جب گونی اسکول سے گھر آیا تو سب ہی کو اس کی
شرارت کا پتہ چل گیا لیکن یہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ گرجی نے اس سے کیا کہا تھا۔ گرجی
کے وعدے کو اس نے اپنے دل میں اس طرح چھپا لیا تھا جیسے دھوپ میں چمکنے والے



اپنے سکے کو اس نے اپنے پاس چھپا رکھا تھا، جانو، اگر تم پچ میرے اسکول میں آکر
پڑھتا چاہتی ہو تو میں اس بارے میں تمہارے پتا جی سے بات کر دوں گا۔ تم بکرمست کرو
ہم ضرور کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالیں گے۔

اس کی یہ کہانی سن کر مینا ہنسنے لگی تھی۔ مینا خوب ہنستی تھی اور ہنستے ہوئے اس
کے گالوں میں گرٹھے پڑ جاتے تھے۔ مینا نے بتایا کہ سارے گاؤں کو پتہ چل گیا ہے کہ جانو
کس طرح اسکول گئی تھی اور مینا کے پتا جی کا خیال سمجھا کہ پڑھنے کی اتنی لگن اور چاؤ تو لڑکوں
میں نہیں ہوتا۔ مینا کی ماں نے کہا: ذرا اسے بڑی تو ہوئے دو۔ وہ اس جگہ کو ہلا کر رکھ دیں گی اس میں
مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد مینا نے کہا تھا۔ آدھلو، ذرا سیر کریں! دیکھیں کنارے
تک پہلے کون پہنچتا ہے اس نے جانو کو پانی میں کھینچ لیا اور دونوں تیزی سے تیرتی ہوئی کنارے پر



پرہیز اور پھر گھر واپس آ گئیں۔

اپنے بھیکے ہوئے بالوں کو جھٹکتے ہوئے مینا نے کہا: "اسکول بڑی مزیدار جگہ ہے۔ تم ضرور پسند کر دو گی۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہارے پتا جی تمہیں ضرور اسکول جانے دیں گے۔ میرے پتا جی کہتے ہیں کہ اگر خوب محنت سے پڑھائی کرو تو خوب آگے جاسکتی ہو، ہائی اسکول تک!" اور ہائی اسکول کے بعد؟ "جانو نے پوچھا۔ ویسے تو اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہائی اسکول کیا ہوتا ہے لیکن مینا کو بھی اس کے سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔

دوسرے دن جب شام کو جانو چراغ جلا رہی تھی تو اس نے گرد جی کو اپنے گھر کی طرف آتے دیکھا۔ چراغ جلا کر وہ اسے برآمدے میں لے آئی اور اسے طاق میں رکھ دیا تاکہ اس کی ٹمٹاتی روشنی گھر بھر کو چمکاسکے۔ تاؤ جی تلسی کے پودے کے سامنے بیٹھ پوجا کر رہے تھے، ایٹن اور راموان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ رامو بھی بیچ بیچ میں زور سے کچھ بولتا جا رہا تھا۔ جانو کا بھی پوجا کرنے کو بڑا دل چاہ رہا تھا۔ وہ تاؤ جی کے ساتھ مل کر آرتی بھی کرنا چاہتی تھی لیکن ڈر کے مارے وہ دل ہی دل میں آرتی کر رہی تھی۔ ہلکی آواز میں چھوٹی سی آرتی۔ اسے یقین تھا کہ بھگوان اس کی دعا ضرور سنیں گے۔



اندروہ دیکھ رہی تھی کہ پتا جی اس طرح اپنی گردن کھڑا رہے تھے جیسے فکر مند ہونے پر کھاتے تھے۔ گرد جی گردن ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے جسے وہ سن نہیں پائی، پھر گرد جی نے پتا جی کو پاؤں کا پتہ اور تمباکو دیا جسے منہ میں رکھ کر وہ چبانے لگے اور پھر جا کر وہ گرد جی کو بانس کی باڑ تک چھوڑ آئے۔

گرد جی کے جانے کے بعد ماں نے کہا: ”جانو بیٹی، جب تو اسکول چلی جایا کرے گی تو مجھے بہت یاد آیا کرے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں ہی کی طرح لکھنا پڑھنا چاہیے۔ جب میں تیری عمر کی تھی تو میں بھی اسکول جانا چاہتی تھی لیکن میری دادی نے منع کر دیا۔ گرد جی تیرے پتا جی سے بات کرنے آئے تھے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوں۔“

جانو چپ رہی، ماں نے آگے کہا:

”گرد جی کل بھی آئے تھے، اس وقت تو مینا کے گھر میں تھی، وہ کہتے ہیں تو بھی گویا کی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ گویا خوب پڑھے تاکہ لکھ پڑھ کر مینا کے چاچا جی کی طرح اس بہت بڑے دفتر میں کام کرے جو آج کل دلی نامی ایک شہر میں ہے۔ یہاں سے ریل سے سفر کر کے دلی پہنچے میں تین دن لگتے ہیں۔“



”لیکن جانو بیٹی، اگر اب تو اسکول گئی تو کیا کرے گی؟ اپنا نام لکھنا سیکھ جائے گی یا
 زیادہ سے زیادہ مینا کی ماں کی طرح ایک بڑی سی مشین پر کپڑے سی سکے گی۔ خیر جو بھی ہو، اب
 اگر تو نے اسکول جانے کا پکا ارادہ کر ہی لیا ہے تو تیرے راستے میں کوئی روک نہیں لگنی
 چاہیے۔“ اور پھر ماں نے ننھے اٹو کو ایک پیارا سا گیت سنایا:

پیاری کو مل پیاری چڑیا
 گرمی بیٹی آئی برکھا
 پردیا بھی ساتھ چلی
 جھم جھم برکھا بھلی بھلی
 دانا دنکا کھالے تو
 اپنا گھر بنالے تو



’ماں، کہہ کر جانو دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی اور گلے میں بائیں ڈال کر اسے کس کر
 پکڑ لیا، کہنے لگی: ’جب بڑی ہو جاؤں گی تو میں بھی باسٹرنی بنوں گی۔‘ گاؤں کے گھر میں
 جا کر سب ہی چھوٹی بچیوں سے اپنے اسکول میں آنے کو کہوں گی اور میں انہیں وہ سب کچھ
 ہی پڑھاؤں گی جو اب خود پڑھوں گی تم دیکھ لینا۔“

اور اگلے دن صبح اسکول جانے سے پہلے وہ کھیتوں کے بیچ میں سے گزر کر اپنے خاص
 راستے سے ندی کے کنارے پہنچی اور اپنے اسی پسندیدہ پتھر پر اچھل کر بیٹھ گئی۔ اس کے بالوں
 میں لال ربن بندھا تھا اور ساتھ ہی ایک پیلا پھول بھی لگا ہوا تھا۔





”میں نے کر کے دکھا دیا“ اس نے ندی سے کہا۔۔۔ وہ میں تو ڈر رہی تھی، پھر بھی اسکول گئی اور اب وہ مجھے اسکول بھیج رہے ہیں۔ اب میں وہاں جا کر اپنا نام لکھاؤں گی، لکھتا پڑھنا سیکھوں گی اور یہ بھی پتہ لگاؤں گی کہ چاول کے کھیتوں کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں مینڈھک کیسے بن جاتی ہیں۔ لائٹ باؤس بھی دیکھوں گی اور ایک دن جہاز بھی دیکھنے جاؤں گی“ اس نے گردن مٹکاتے ہوئے ندی سے کہا۔

گول گول سلہٹی پتھروں کے بچے سے گزرتی ہوئی ندی کی دھارا بانس اور ناریل کے پیڑوں کو چھوتی ہوئی بہتی رہی۔ جاتوں نے اپنے بالوں میں سے چمیلی کی ایک کلی نکالی اور اسے ندی کے بہاؤ میں پھینکتے ہوئے کہا: ”پیاری ندی“ اسے سمندر تک لے جاؤ، جلدی کرو جلدی نہیں تو تم وہاں کبھی نہیں پہنچ پاؤ گی“ یہ کہہ کر وہ واپس چل پڑی۔ ایک دو قدم چل کر وہ رکی، پھر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ سفید اور پیلی کلی پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کی طرف بہہ رہی تھی۔ اب جانو کو یقین ہو گیا تھا کہ اس دن خواب میں اس ندی کو ہی بولتے سنا تھا۔ لیکن آج تو وہ سچ سچ ہی اسکول جا رہی تھی۔ اس کے بالوں میں لال ربن بندھا ہوا تھا اور یہ خواب نہیں تھا۔



جانو لمبے چوڑے ہرے بھرے کھیتوں کے بیچ سے دوڑ پڑی۔ اس وقت اسے
محسوس ہوا کہ اس نے ندی کی ہلکی سی پھس پھساہٹ سنی ہے۔ ”پیاری بیٹیا، پھر آنا میں تمہیں
جہازوں اور سمندر کے بارے میں بتاؤں گی۔“
ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ندی بول رہی ہے لیکن یہ تو چاول کے کھیتوں میں سے گزرتی
ہوئی ہوا کا سنگیت تھا۔



